عربی خطاب: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
ترجمہ: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (برطانیہ)

غارِ حرا کی روشنی میں

عالمِ اسلام کے عظیم مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل میں بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے اسلام کی خوب خدمت کی اور امتِ مسلمہ کی صحیح سمت میں رہنمائی فرمائی۔ اردو تو ان کی اپنی زبان تھی لیکن عربی زبان وادب میں انہوں نے جو مقام حاصل کیا' وہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔ نتیجتاً اُن کا پیغام عرب دنیا تک پہنچا اور عالم عرب بھی اُن کا گرویدہ ہوگیا۔ ''غارِ حراء کی روشنی میں'' علی میاں رحمہ اللہ کی عربی زبان میں ایک تقریر ہے جو ۱۹۶۰ء کے عشرہ میں سعودی ریڈیو سے نشر ہوئی جسے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (حال مقیم لندن' خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ) نے اردو میں منتقل کیا اور جناب انعام اللہ خان (سیکرٹری جنرل مؤتمر عالم اسلامی) نے شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۹ء میں مکتبہ ملّی کراچی سے شائع کیا۔ مولانا کی یہ ایمان افروز نایاب تقریر ہدیۂ قارئین ہے۔ (ادارہ)

میں جبل نور پر چڑھا اور اس کے غار پر جو کہ غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے جا کھڑا ہوا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہی جگہ ہے جہاں خداوندِ کریم نے حضرت محمد ﷺ کو پیغمبری کا شرف عطا فرمایا اور پہلی مرتبہ وحی نازل فرمائی۔ پس (یہ کہنا حق ہے کہ) یہیں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور برسایا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی۔ یہ عالم ہر دن ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے لیکن اکثر وبیشتر نہ اس صبح میں نیا پن ہوتا ہے نہ کوئی ندرت اور نہ ہر صبح صبح سعادت' ان صبحوں کی آمد سے انسان تو جاگ جاتے ہیں۔ مگر دلوں کی نیند میں ذرا فرق نہیں آتا اور روحوں کی بستی یونہی خوابِ غفلت میں پڑی رہتی ہے۔ کیا شمار ہے ایسے تاریک دنوں کا اور ایسی جھوٹی صبحوں کا۔ البتہ اس غار سے حقیقی معنی میں صبح صادق نمودار ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو چمکایا اور اس کی آمد نے ہر شے کو جگایا اور اسی صبح سے تاریخ کا رخ مڑا اور زمانہ کا رنگ بدلا۔

اس صبح سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا۔ اس کے ہر دروازہ پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ بند تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔ عقل پر قفل چڑھے ہوئے تھے جن کو کھولنے سے حکماء اور فلاسفہ عاجز تھے، ضمیرِ انسانی مقفل تھا جس کو آزادی دلانے سے واعظین اور مصلحین عاجز تھے۔ قلوب انسانی مقفل تھے جن کے قفل توڑنے میں قدرت کی نشانیاں اور زمانہ کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحیتیں مقفل

تھیں جن کو بروئے کار لانے سے تعلیم وتربیت کا نظام اور ماحول اور سوسائٹی کے اثرات قاصر تھے۔ درس گاہوں کا وجود لاحاصل تھا جن کو کارآمد اور نتیجہ خیز بنانے میں اہل علم اور اہل درس بے بس تھے۔ عدالتیں کھلے ہونے کے باوجود مقفل تھیں جن سے انصاف حاصل کرنے کے لیے مظلوموں اور محکوموں کی فریادیں بے اثر تھیں، خاندانی مسائل الجھے ہوئے تھے جن کو سلجھانے سے مصلحین ومفکرین عاجز تھے۔ قصرہائے سلطنت مقفل تھے جن میں راہ پانے سے محنت کش کسان پسے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھی۔ دولت مندوں اور امیروں کے خزانے مقفل تھے جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک' ان کی عورتوں کی برہنگی اور ان کے دودھ پیتے بچوں کی گریہ وزاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے مصلحین عزائم کے ساتھ میدان میں آئے۔ بڑے بڑے قانون ساز کمربستہ ہوئے لیکن ان بے شمار قفلوں میں سے کوئی ایک قفل بھی کھولنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس لیے کہ ان تالوں کی اصل کنجی ان کے ہاتھ نہ تھی' وہ کنجی گم ہوچکی تھی اور تالا بغیر اپنی کنجی کے کبھی کھل نہیں سکتا۔ انہوں نے اپنی بنائی ہوئی کنجیوں سے کام لینا چاہا لیکن وہ ان تالوں کو کھولنے کے بجائے توڑنے کی کوشش کی مگر الٹے اس کوشش میں ان کے اوزار ٹوٹ گئے اور ہاتھ بھی زخمی ہوگئے۔

ایسے وقت میں متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِحرا) میں دنیا کا وہ عقدۂ لاینحل حل ہوا جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راجدھانیوں میں حل ہوسکا نہ عظیم الشان درسگاہوں میں حل ہوسکا اور نہ علم وادب کے پرشکوہ ایوانوں میں حل ہوسکا۔ یہاں پروردگارِ عالم نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گم شدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے ایمان اللہ پر' اس کے رسول پر اور یوم آخرت پر۔ اس کنجی سے آپ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے ہر ہر شعبہ کے دروازے چوپٹ کھل گئے۔ آپ نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر رکھا تو اس کی ساری گرہیں کھل گئیں۔ اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ وخم دور ہوگئے۔ اسے نشاطِ فکر حاصل ہوگیا اور وہ اس قابل ہوگئی کہ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہوسکے۔ اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پاسکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک وبت پرستی اور اوہام وخرافات کی لغویت کو محسوس کرسکے۔ حالانکہ اس سے پیشتر یہ عقل ان باتوں میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی اور صدیوں سے اپنے منصب سے معزول تھی۔ اس کنجی سے آپ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور واحساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی۔ ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہوکر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ (برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا) بنا ہوا تھا۔ اب وہی نفس، نفس لوامہ (غلطی پر سخت سرزنش اور ملامت کرنے والا) میں تبدیل ہوا اور نفس لوامہ دیکھتے ہی دیکھتے ہی نفس مطمئنہ (جس کو پورا سکون اور اطمینان حاصل ہوگیا ہو) بن گیا جس کے بعد اس میں کسی باطل

کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لیے نا قابل برداشت ہو گیا۔اس حد تک کہ گنہگار رسول خدا ﷺ کے سامنے جا کر خود اپنے گناہ کا اظہار واقرار کر کے اپنے لیے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا ہے۔ایک گنہگار عورت اپنے لیے سنگساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔حضور ﷺ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لیے موخر فرماتے ہیں۔وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کے لیے سی آئی ڈی متعین ہے نہ مجرمہ کو وقت پر دوبارہ حاضر کرنے کے لیے پولیس متعین ہے لیکن وہ بروقت پھر مدینہ میں پہنچتی ہے اور خود کو اس سزا کے لیے بخوشی اور باصرار پیش کرتی ہے جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی سنگساری)۔فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج زریں آتا ہے۔وہ اس کو کپڑوں میں چھپالیتا ہے اور خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہے تا کہ ادائے امانت تو ہو لیکن امانت داری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ نہ ان میں عبرت پذیری تھی نہ خوفِ خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی۔یہ کنجی جب ان کے دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی۔اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں وترساں تھے۔حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب اُن کے لیے نفع بخش تھا،مظلوموں کا حال زار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور غریبوں' بیکسوں کے ساتھ نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطری صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں اور نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں ضائع ہو رہے تھے۔وہ بہترین طور سے قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرمانروائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی ایک قبیلے یا ایک شہر کا نامور شہسوار شمار کیا جاتا تھا' وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت وشوکت میں یکتا تھا۔

اس کنجی سے آپ نے درسگاہوں کے قفل کھولے اور ان میں از سر نو چہل پہل اور رونق پیدا کی۔حالانکہ علم کی کساد بازاری اور معلمین کی کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلمین کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو۔آپ نے علم کی قدر وقیمت یاد دلائی،اہل علم کا مرتبہ بتلایا اور علم ودین کا باہمی تعلق سمجھایا۔چنانچہ لوگ درسگاہوں کی ترقی کے لیے دامے درمے قدمے کوشاں ہو گئے،مسلمان کا ہر ہر گھر اور ہر ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ بن گئی۔ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا کیونکہ ان کا دین ہی خود طلب علم کے لیے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ نے اسی کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا۔اب ہر قانون دان اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی

حیثیت سے اعتماد کیا جاسکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا منصف شعار حاکم تھا۔ اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لیے سچی شہادتیں دینے والے تھے' جب اللہ اور آخرت کے حساب وکتاب پر ایمان استوار ہوا تو عدل وانصاف کی فراوانی ہوئی، بے انصافیاں اور بدمعاملگیاں کم سے کم تر ہوگئیں اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہوگئے۔ خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہوگئے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان کشاکش اور چھین جھپٹ کا میدان گرم تھا۔ پھر یہ بیماری خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرہ کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی' یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ حاکم اور رعیت کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ بڑے اور چھوٹے کے تعلقات میں بھی برپا تھی، ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود اگر کوئی چیز خریدتا تو ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا لیکن اگر وہ دوسرے کے ہاتھ کچھ بیچتا تو کم سے کم ناپنے اور تولنے میں پوری پوری مہارت بہم پہنچاتا:

اِذَا كْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ آپ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا۔ خاندان اور معاشرہ میں ایمان کا بیج بویا۔ لوگوں کو اللہ کی ناراضی سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا O

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا (اس طرح) کہ اس کا ایک جوڑا پیدا کیا اور دونوں (کی نسل) سے پھیلا دیئے۔ بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں' اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم مانگتے ہو اور قرابتوں کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔''

آپ نے خاندان اور معاشرہ کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں۔ اسی طرح از سر نو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیادوں پر قائم فرمایا اور معاشرہ کو بھی اعلیٰ درجہ کا عدل شعار بنایا۔ معاشرہ کے ہر ہر عضو میں امانت داری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرے کے امراء اور عہدیداران تک پرہیز گاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے۔ قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے۔ والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال ودولت سے کچھ مطلب نہیں' اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے۔ اسی ایمان کی بدولت آپ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی۔ انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس کے تصرف میں

اپنا نائب بنایا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اٰتٰکُمْ ط

''اورخرچ کرو اس (مال ودولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے اور دو ان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔

انہیں تجوریوں میں بند کر کے رکھنے اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنے کے لیے یہ کہہ کر ڈرایا:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ O

''اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جبکہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں اور پشتیں داغی جائیں گی لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا اب چکھو اس کا مزہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا۔ نیک خوئی کو پسند کرنے والا۔ اللہ کے خوف سے ڈرنے اور لرزنے والا۔ امانت کا پاس کرنے والا دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا۔ اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا۔ اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا۔ اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار اور منصف جج ثابت ہوتا۔ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمراں ثابت ہوتا۔ اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا۔ اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال ودولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اسی بنا پر سوسائٹی اور یہ حکومت ایک بڑے پیمانہ پر افراد کے اخلاق کی نفسیات اور ان کے طرزِ حیات کا مظہر تھی۔ افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرہ میں جمع ہو گئی تھیں۔ اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی ۔ اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کوشی اس میں تھی۔ اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی۔ اس کے جج کی فراست اور عدالت اس میں تھی، اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی اس میں تھی، اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی اس میں تھی، اور اس کے

خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی اس میں پوری پوری موجود تھی، اسلامی سوسائٹی جس طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی، اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی۔ عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور مصالح پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق وعقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی۔ سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر ہر گوشہ ایمان وعمل، صدق وخلوص، محنت وکوشش اور عدل وانصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔

غارِ حرا پر کھڑا کھڑا یہ تمام باتیں اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنے ان خیالات اور عہد رفتہ کی یاد میں غرق ہو گیا کہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ میرا تصور مجھے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے اڑا کر الگ لے گیا۔ میری نگاہوں میں اس عہد رفتہ کی عمومی اسلامی زندگی کی تصویر پھرنے لگی۔ میں اس کا رخ جمال اور ایک ایک خط و خال دیکھنے لگا۔ اور بالکل ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہی زندگی میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور میں اس کی روح نواز فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں۔ اسی عالم تصور میں مجھے اپنے زمانے کا خیال آیا جس کی فضا میں واقعی میں سانس لیتا ہوں میں نے کہا کہ آج بھی زندگی کی کامیابی اور خوش گواری کے دروازوں پر کچھ نئے قسم کے تالے پڑے نظر آ رہے ہیں مسائل میں پھیلاؤ اور تنوع کی کوئی حد نہیں ہے اور اسی نسبت سے الجھاؤ اور پیچیدگیاں بھی بڑھ گئی ہیں تو کیا اس حالت میں بھی اسی پرانی کنجی سے یہ نئے قفل کھل سکتے ہیں؟

یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر میں نے کہا کہ جب تک میں ان تالوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کے ان کی حقیقت نہ معلوم کر لوں مجھے کوئی جواب نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے جوان تالوں کو ہاتھ لگایا تو حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ تالے نئے نہیں ہیں، وہی پرانے ہیں صرف رنگ وروغن نیا ہے اور نہ یہ پیچیدگیاں اور الجھنیں نئی ہیں ان کی جڑ تو ہو بہو پرانی ہے آج بھی اصل مسئلہ فرد کا مسئلہ ہے جو سارے دوسرے مسائل کا سرا ہے اور یہی ہمیشہ انسانی زندگی کا اصل مسئلہ رہا ہے کیونکہ فرد وہ اینٹ ہے جس سے سوسائٹی اور حکومت بنتی ہے۔ اور اس کا حال آج یہ ہو گیا ہے کہ مادہ اور قوت کے سوا کسی چیز کو ماننے کے لیے یہ تیار نہیں ہے۔ اپنی ذات اور خواہشات کے ماسوا اسے کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ اس دنیا کی قدر و قیمت اس کی نظر میں حقیقت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ لذت اور خواہشات کی بندگی حد سے گزر گئی ہے، اور اپنے پروردگار سے انبیاء کی رسالت سے، اور عقیدہ آخرت سے رشتہ بالکل ٹوٹ چکا ہے پس یہی فرد کا بگاڑ ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا سرچشمہ اور تہذیب کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرد اگر تجارت کرتا ہے تو لالچی اور ذخیرہ اندوزی کا بدترین مظاہرہ کرتا ہے۔ ارزانی کے وقت مال روک لیتا

ہے اور گرانی کے زمانہ میں نکالتا ہے اور اس طرح لوگوں کو بھوک اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ یہ فرد اگر مفلس ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنی مفلسی کو دور کرنے کے لیے خود کچھ نہ کرے اور دوسروں کی محنتوں کا پھل مفت میں کھالے، اگر مزدوری کرتا ہے تو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے لیکن مزدوری پوری لینا چاہتا ہے' اگر دولت مند ہوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا کنجوس اور سنگ دل ہوتا ہے' اگر صاحب اقتدار ہوتا ہے تو لٹیرا اور بد دیانت ثابت ہوتا ہے، اگر مالک ہوتا ہے تو ایک ظالم اور خود غرض مالک ثابت ہوتا ہے جو اپنے قائدے اور اپنے آرام کے سوا کچھ دیکھنا نہیں جانتا۔ اگر نوکر ہوتا ہے تو کام چور اور بے ایمان اگر خزانچی بنا دیا جاتا ہے تو غبن کرتا ہے' اگر حکومت کا وزیر یا جمہوریہ کا صدر ہو جاتا ہے تو شکم پرور، روح سے بے خبر اور بندۂ نفس ثابت ہوتا ہے جو صرف اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے فائدے کو دیکھتا ہے' اگر لیڈر بن جاتا ہے اور بہت ہی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو بھی اس قوم اور وطن کے حدود سے آگے نہیں بڑھنے پاتا اور اپنے وطن اور قوم کی عزت بڑھانے کے لیے دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی عزت و آبرو خاک میں ملانے سے کسی وقت بھی گریز نہیں کرتا، اگر قانون سازی کا اختیار ہاتھ میں آجاتا ہے تو ظلم کے قانون اور بڑے بڑے ٹیکس مسلط کر دیتا ہے اگر اس کے دماغ میں ایجاد و انکشاف کی صلاحیت ہوتی ہے تو ہلاکت برسانے والے اور تباہی پھیلانے والے آلات ایجاد کرنے لگتا ہے، زہریلی گیسیں ایجاد کرتا ہے جو نوع انسانی کو ہلاک کر دیں، بمبار طیارے اور ٹینک بناتا ہے جو بستیوں کو کھنڈر اور راکھ کا ڈھیر بنا ڈالیں، ایٹم بم بناتا ہے جس کی ہلاکت خیزیوں سے نہ انسان بچ سکتے ہیں اور نہ حیوان نہ کھیت نہ باغات اور جب اس فرد کو ان ایجادات کے استعمال کرنے کی قوت بھی مل جاتی ہے تو بستیاں کی بستیاں اندھا دھند نشانے پر رکھ لیتا ہے اور آن کی آن میں زندوں کے شہر' شہر خموشاں بنا ڈالتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اچھے افراد سے مرکب ہونے والا معاشرہ اور ان سے تیار ہونے والی حکومت ان افراد کی تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے تو برے افراد سے تیار ہونے والا معاشرہ اور حکومت دونوں لامحالہ ان تمام افراد کی تمام برائیوں اور بیماریوں کی حامل ہوگی، اس میں تاجروں کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی' نفع کا لالچ بھی ہوگا' تنگ دستوں کی سرکشی بھی ہوگی' مزدوروں کی کم محنت اور زیادہ اجرت کی بری عادت بھی ہوگی' دولت مند کی ہوس کے جراثیم بھی اڑ کر اسے لگیں گے، اپنے حکمراں کی بد نیتی اور عیاری بھی اس میں پھیلے گی' مالکوں کا جور و ستم بھی اس کی عادت میں داخل ہوگا، نوکر کی خیانت اور خازن کا غبن بھی اس میں سرایت کرے گا، ذرائع کی نفع پرستی اور لیڈروں کی وطن پرستی بھی گل کھلائے گی، قانون سازوں کے اندھیر اور سائنس دانوں کی بے راہ روی بھی اپنا جوہر کھلائے گی اور زرداروں کی سنگ دلی بھی اس پورے معاشرہ اور حکومت میں رنگ لائے گی۔

یہ ہے وہ اصل مادۂ فساد جس کے بطن سے وہ تمام بیماریاں، وہ تمام الجھنیں اور تمام پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں' جن

سے انسانیت پریشان' اواز رونزار ہے، اس مادہ فساد کا نام ہے مادہ پرستی کا ذوق یا مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے کا عقیدہ! بلیک مارکٹنگ اسی کا قدرتی نتیجہ ہے، رشوت ستانی اسی کا ادنی کرشمہ ہے' ہوش ربا گرانی اور مہنگائی اسی کا ایک شگوفہ ہے، ذخیرہ اندوزی اسی کا عطیہ ہے، افراطِ زر اسی کا ثمرہ ہے۔ آج کے مفکرین اور مقنّنین آج تک ان مشکلات کا کوئی کامیاب حل نہیں ڈھونڈ کر لا سکے، ایک مشکل کو حل کرتے ہیں تو دوسری نئی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ ایک گرہ کھلتی ہے تو کئی اور نئی گرہیں لگ جاتی ہیں، بلکہ اب تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کی عقدہ کشائی بجائے خود نئے نئے عقدوں کو جنم دے رہی ہے، جیسے عطائی طبیب کے علاج سے صحت کے بجائے کچھ نئے نئے مرض اور پیدا ہو جائیں۔ یہ اس مریض پر روز نئے تجربے کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شخصی حکومت ان تمام امراض کا سبب ہے۔ لہٰذا اسے ختم کر کے جمہوری طرز حکومت کی بنیاد ڈالی مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بعض نے پھر آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کو اختیار کیا، اس سے اور خرابیاں بڑھتے دیکھیں تو پھر جمہوریت کی طرف رجوع کیا' ایسے ہی کبھی نظام سرمایہ داری کو اختیار کیا' اس سے اور گرہیں بڑھیں تو کمیونزم اور سوشلزم کو اپنے درد کا درماں سمجھ لیا مگر معاملہ کی نوعیت ذرا نہ بدلی اور مشکلات جوں کی توں قائم یا پہلے سے کچھ دشوار ہو گئیں کیوں۔؟ اس لئے کہ یہ ساری تبدیلیاں اور سارا ردوبدل اوپر اوپر ہوتا رہا اور مشکلات کی جو جڑ اور بنیاد ہے یعنی فرد اور اس کا بگاڑ! اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا اس میں کسی اصلاح وتغیر کی کوشش نہیں کی گئی اور قصداً یا بلا قصد اس حقیقت سے غفلت ہوتی گئی کہ اصل فساد ٹیڑھ میں ہے جس کی بدولت معاشرہ اور حکومت میں بھی ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے۔

لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ مفکرین ومصلحین اس حقیقت کو خوب سمجھ بھی لیتے اور برائیوں کی اس جڑ کو پا بھی لیتے تب بھی اس کا علاج ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مانا کہ ان کے پاس اشاعت علم کے مؤثر ذرائع ہیں۔ اور یہ دور ہی تعلیم وتربیت کا دور ہے مگر ان کے ہاتھ میں وہ طاقت نہیں ہے جس سے فرد کا رخ' شر سے خیر کی طرف اور تخریب سے تعمیر کی طرف موڑ دیں۔ کیونکہ ان کے دل ودماغ' روحانیت بلکہ روح کی وقعت ہی سے عاری اور ایمان سے خالی ہیں، ان کے پاس دل کو غذا دینے اور اس میں ایمان کا پودا لگانے کا سامان نہیں ہے۔ ان کے ہاتھوں سے وہ چیز نکل چکی ہے جو عبد ومعبود کے درمیان رشتہ جوڑے، اس زندگی کے ساتھ دوسری زندگی کا تعلق قائم کرے، روح ومادہ کے درمیان توافق پیدا کرے اور علم کو اخلاق سے وابستہ کرے، ان کے روحانی افلاس، اندھی مادیت اور غرور عقل نے تو اب اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ تخریب وتباہی کا آخری تیر بھی اپنے ترکش میں جمع کر لینا چاہتے ہیں جس کی ہلاکت خیزیوں سے انسانیت کا پورا کنبہ نیست ونابود اور پورا کرۂ ارض اجاڑ اور ویران ہو سکتا ہے۔ خدانخواستہ اگر اس وقت دنیا کی متحارب طاقتوں نے ان خوفناک ہتھیاروں کے ساتھ جنگ کا میدان گرم کیا تو یقیناً ان کے یہ نوایجاد آلات' تہذیب وانسانیت کا خاتمہ کر دیں گے۔